غزل

جناب شمیم عثمانی

کہاں ہے آج بلاخیزیٔ جنوں باقی
روایتوں سے ہے اک ربطِ پُرفسوں باقی

ہم اپنے ماضی کا سایہ بھی اب نہیں شاید
مگر زمانہ کو شکوہ کہ ہم ہیں کیوں باقی

ابھی نگاہِ ستم کو عزیز ہیں ہم لوگ
ابھی ہے پیرہنِ جاں میں بوئے خوں باقی

یہ فکر و فن کے نگہباں متاعِ غم کے امیں
ہیں اک شکستہ عمارت کے کچھ ستوں باقی

کہاں کی بادہ کشی لطفِ جامِ ساقی کیا
بنامِ ظرف ہے اک جامِ واژگوں باقی

حیات آج انھیں آئینہ دکھاتی ہے
نہ جن کے چہرے سلامت نہ اندروں باقی

عذابِ ہجر بھی دیکھا نشاطِ قرب کے بعد
ہماری شوخ مزاجی ہے جوں کی توں باقی

شراب ہے کہ لہو بھید کچھ نہیں کھلتا
ہر ایک شیشے میں ہے آبِ لالہ گوں باقی

اسی کا نام فنا ہے تو پھر بقا کیا ہے
کہ آج تک ہے یہ دنیائے کاف و نوں باقی

شمیمؔ تیرے جنوں کی بھی حد نہیں کوئی
خرد کے دور میں اور دولتِ سکوں باقی